عدالتی استحکام میں حدود و تعزیرات کی افادیت و معنویت (تجزیاتی مطالعہ)
URDU-THE UTILITY & SIGNIFICANCE OF ḤŪDOOḌ O ṬĀĀẒEERĀṬ
IN JUDICIAL STABILITY (ANALYTICAL STUDY)

Dr. Muneer Ahmad Rasool Puri*, Dr. Jabeen Bhutto**

The Scholar Islamic Academic Research Journal || Web: www.siarj.com ||
P. ISSN: 2413-7480 || Vol. 3, No. 2 || June-December 2017 || P. 101-113

DOI: 10.29370/siarj/issue5ar6

URL: https://doi.org/10.29370/siarj/issue5ar6

License: Copyright c 2017 NC-SA 4.0

ABSTRACT:

No society can flourish without provision of justice to each and every member of community. Justice can be maintained only when the court is stable and powerful in a society. The strength of court is dependent on the immediate and inexpensive delivery of justice. All should be considered equal as regards constitution and no one should be deemed superior to legislation on basis of favoritism, nepotism, or authority. Only the real offender should be punished according to the crime he committed. The decision of court should be in alliance with constitution instead of any prejudice or favor towards any party. Islamic code of conduct actually propagates all these above mentioned characteristics and therefore ensures a stable and secure system of justice along with superiority of court. But this thing is of utmost significance that the Islamic system of Ḥūḍooḍ and Ṭāāẓeerāṭ may be implemented in letter and spirit. Only then, it would be possible for the humanity at large to get benefit from it the right way. It will not only lead the judicial stability in the Islamic State but also strengthen it in terms of economy, social setup and politics.

KEYWORDS: Ḥūḍooḍ, Ṭāāẓeerāṭ, Judicial Stability, Divine Laws, Justice, Equality, Ẓīnā, Qāẓāf.

* Assistant Professor Islamic Studies, Govt. Islamia College, Civil Lines Lahore,
Email: muneerahmadphd2011@gmail.com

** Assistant Professor, Department of Comparative Religion and Islamic Culture,
University of Sindh, Jamshoro, Sindh Email: bhuttojabeen@gmail.com

کلیدی الفاظ: حدود، تعزیرات، عدالتی استحکام، قوانین الہیہ، عدل، مساوات، زنا، قذف

انسان کی فطرت ہے کہ وہ باہم مل جل کر رہتے ہیں۔ یوں ایک معاشرہ تشکیل پاتا ہے، اور معاشرے میں رہتے ہوئے ہر انسان پر کچھ حقوق و فرائض عائد ہوتے ہیں۔ اگر ہر انسان اپنے فرائض ادا کرتا رہے، تو سب کو ان کے حقوق ملتے رہتے ہیں، لیکن جب کوئی فرد اپنے فرائض میں غفلت کرتا ہے تو دوسروں کے حقوق متاثر ہوتے ہیں۔ بعض اوقات انسان دوسروں کے حقوق جان بوجھ کر بھی غصب کرنا شروع کر دیتا ہے، جس کی وجہ سے اجتماعی زندگی کے حقوق و فرائض میں عدم توازن آجاتا ہے۔ افراد کے حقوق غصب ہوتے ہیں، معاشرتی امن و امان برباد ہو جاتا ہے اور ریاستی استحکام خطرات کی زد میں آجاتا ہے۔ لہذا ان تمام خطرات کا سد باب کرنے اور حقوق کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے قوانین و ضوابط بنائے جاتے ہیں۔ قوانین کی تشکیل کے بعد ان کی تفہیم کا عمل شروع کر دیا جاتا ہے تاکہ معاشرہ اور ریاست امن میں رہیں اور اس میں بگاڑ پیدا نہ ہو۔

یہ قوانین و ضوابط تب ہی ٹھیک انداز میں کارگر ثابت ہوتے ہیں جب ان کی تشکیل و تفہیم میں عدل سے کام لیا جائے۔ اگر ان قوانین کو بناتے یا نافذ کرتے وقت عدل کو مد نظر نہیں رکھا جائے گا، تو کبھی بھی یہ قوانین نتیجہ خیر ثابت نہیں ہو سکیں گے۔ قانون سازی کا یہ عمل انسانی زندگی کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ انسان نے اپنی عقل، تجربے اور مشاہدے کی بنا پر باہمی مشاورت سے قوانین بنائے لیکن انسان چونکہ ظلم و جہول ہے۔ ناقص علم رکھتا ہے۔ اس لیے اس کے قوانین میں کہیں نہ کہیں کمی رہ جاتی ہے۔ اور یہ قوانین، زمان و مکان کا ساتھ دینے سے قاصر رہتے ہیں جبکہ حدود کا نظام اللہ علیم و خبیر کا عطا کردہ ہے۔ جو انسان کی فطرت سے خوب واقف ہے، اس کے احساسات و جذبات سے آگاہ بھی ہے اور آنے والے حالات سے باخبر بھی، لہذا اللہ علیم و خبیر کا دیا ہوا نظام سزاہر حوالے سے کامل و اکمل ہے۔ ہر نقص سے پاک ہر علاقے اور ہر زمانے کے لیے یکساں مفید ہے۔ اور عدل کے سارے تقاضے بھی پورے کرتا ہے۔

عبدالقادر عودہ شہید لکھتے ہیں:

"والقوانین والانظمة التي يضعها البشر قابلة للتبديل والتعديل والالغاء، اذا ما قضت بذلك اهواء البشر وشهواتهم، اما احكام القرآن فهي من عند الله وهي دائمة الى الابد" لا تماشي أهواء الحكام ولا أهواء المحكومين وانما تعدل بين الفريقين وتوفي كلا حقه في حدود العدل الخالص۔¹

”وہ قوانین اور نظام جو انسان نے بنائے ہیں، جب انسان کی خواہشات و شہوات پوری کر دیتے ہیں تو وہ

تبدیل کر دیے جاتے ہیں یا بالکل ہی ختم کر دیے جاتے ہیں۔ لیکن قرآن کے احکام اللہ کے عطا کردہ ہیں اور یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہیں، یہ حکام اور رعایا کی خواہشات کے تابع نہیں ہوتے۔ بلکہ یہ قوانین الہیہ، حاکم و محکوم کے درمیان عدل قائم کرتے ہیں، اور خالصتاً عدل کی حدود میں رہتے ہوئے ہر فریق کو اس کا پورا پورا حق دلاتے ہیں۔“

یعنی اسلام کا دیا ہوا نظام حدود و تعزیرات کسی کی خواہش کا پابند نہیں ہے، اس نے عدل کے تقاضے پورے کرنے ہیں اور ہر حقدار کو عدل کے تقاضوں کے عین مطابق اس کا حق دلانا اس قانون کا امتیاز ہے۔ یوں یہ قانون قیام عدل کے ساتھ ساتھ ریاست کے عدالتی نظام کو بھی مستحکم سے مستحکم تر بناتا ہے۔

۱۔ حد کے لغوی معنی:

اسلامی حدود سے مراد وہ سزائیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف جرائم پر مقرر کی گئی ہیں۔ یہ سزائیں انسانوں کو ارتکاب جرم سے روکتی ہیں اس لیے ان کو حدود کہا جاتا ہے۔ ابن منظور افریقی حد کا لغوی معنی یوں بیان کرتے ہیں۔

"الحد: الفصل بین الشیئین لئلا یختلط أحدهما بالآخر أو لئلا یتعدی أحدهما علی الآخر، وجمعہ حدود و فصل ما بین الشیئین حد بینہما۔"²

”حد، دو چیزوں کی درمیانی آڑ کو کہتے ہیں تاکہ وہ ایک دوسرے میں خلط ملط نہ ہو جائیں یا وہ ایک دوسرے پر زیادتی نہ کریں اور ”حد“ کی جمع ”حدود“ ہے۔ دو چیزوں کی درمیانی آڑ ان کے لیے حد ہوتی ہے۔“

حد کا ایک معنی روکنا اور منع کرنا بھی ہے۔ اسی لیے دربان اور داروغہ جیل کو حداد کہتے ہیں کہ وہ بھی کسی کو داخل ہونے یا نکلنے سے روکتے ہیں۔

علامہ جوہری حد کا یہی معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"الحد: المنع ومنه قیل للبواب حداد ویقال للسجان حداد لئلا یتعدی من الخروج۔"³

”حد کا معنی روکنا ہے اسی لیے دربان اور داروغہ کو حداد کہتے ہیں اس لیے کہ داروغہ کسی کو نکلنے سے روکتا ہے۔“

دو چیزوں کی درمیانی آڑ جو دو چیزوں کو باہم خلط ملط ہونے سے روکتی ہو اس کو بھی حد کہتے ہیں۔

کسی گناہ پر دی جانے والی سزا کو بھی حد کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی انسان کو گناہ سے روکتی ہے۔ علامہ زبیدی لکھتے

ہیں:

"الحد: تأذیب المذنب كالسارق والزانی وغيرهما بما یمنعه عن المعاوذة ویمنع أیضا غیرہ عن

اتیان الذنب۔⁴

۲۔ حد کا اصطلاحی مفہوم:

اصطلاح میں حدود سے مراد ایسی سزائیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض جرائم کی پاداش میں مقرر کی گئی ہیں۔ امام سرخسی حد کی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وفی الشرع: الحد اسم لعقوبة مقدرة تجب حقا لله ولهذا لا يسمى به التعزير لأنه غير مقدور ولا يسمى به القصاص لأنه حق العباد۔"⁵

”شریعت میں حد اس مقررہ سزا کا نام ہے جو بطور حق اللہ واجب ہوتی ہے اسی لیے تعزیر کو اس نام سے موسوم نہیں کیا جاتا کیونکہ وہ مقرر شدہ نہیں ہوتی اور نہ ہی قصاص کو حد کا نام دیا جاتا ہے کیونکہ وہ بندوں کا حق ہوتا ہے۔“

علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں:

"الحد عقوبة مقدرة لله تعالى"⁶

"اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ سزا کو حد کہا جاتا ہے۔“

امام ابن ہمامؒ لکھتے ہیں:

"إن الحد هي العقوبة المقدرة شرعا۔"⁷

”حد شریعت کی مقرر کردہ سزا کا نام ہے۔“

عبد القادر عودہ شہید حد کی اصطلاحی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"والحد هو العقوبة المقررة حقاً لله تعالى، أو هو العقوبة المقررة لمصلحة الجماعة وحينما يقول الفقهاء إن العقوبة حق لله يعنون بذلك أنها لا تقبل الإسقاط من الأفراد ولا من الجماعة۔"⁸

”حد سے مراد وہ مقرر شدہ سزا ہے جو بطور حق اللہ مقرر ہو یا جماعت کی مصلحت کی خاطر مقرر کی گئی ہو۔ جب فقہاء اس کو حق اللہ قرار دیتے ہیں تو ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اس سزا کو افراد یا جماعت ساقط نہیں کر سکتے۔“

مذکورہ بالا تعریفات اور فقہائے کرام کی آراء سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حد سے مراد ایسی سزا ہے جو اللہ تعالیٰ یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مقرر شدہ ہو اس کے علاوہ کسی بھی سزا پر حد کے لفظ کا اطلاق نہیں ہوتا اور حد کی اس تعریف کی رو سے قصاص، دیت، کفارہ اور تعزیر جیسی تمام سزائیں حدود کے زمرے میں نہیں آئیں گی۔

۳۔ حدود کی تعداد کے بارے میں فقہاء کا اختلاف:

حدود کی تعداد کے متعلق فقہاء میں کچھ اختلاف ہے، چنانچہ ایک رائے کے مطابق ان کی تعداد پانچ ہے جیسا کہ علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

"الحدود خمسة أنواع: حد السرقة وحد الزنا وحد الشرب، وحد السكر، وحد القذف۔"⁹

حدود کی پانچ انواع ہیں (۱) حد سرقة (۲) حد زنا (۳) حد شراب (۴) حد سکر (۵) حد قذف

ایک دوسری رائے یہ ہے کہ جرائم حدود چھ ہیں مذکورہ بالا جرائم کے علاوہ ارتداد بھی حدود میں شامل ہے۔

یہ رائے جسٹس تنزیل الرحمن کی ہے۔¹⁰

ایک تیسری رائے یہ بھی ہے کہ جرائم کی حدود سات ہیں، مذکورہ بالا جرائم سہ کے علاوہ بغاوت بھی اس

میں شامل ہے۔ یہ رائے علامہ فرید وجدی نے دائرة المعارف القرن العشرين میں بیان کی ہے علامہ محمد فرید وجدی لکھتے

ہیں:

"ولم يرد الشرع الإسلامي إلا سبعة حدود على سبع جنابات بالنص، وقد وكل ما عداها إلى

القاضي وتلك الحدود هي حد الردة، وحد البغي، وحد الزنا، وحد القذف، وحد السرقة، حد

قطع الطريق وحد شرب الخمر۔"¹¹

"نص کے لحاظ سے اسلامی شریعت میں صرف سات جرائم پر سات شرعی حدود مقرر کی گئی ہیں ان کے

علاوہ دیگر جرائم قاضی کی مرضی پر مبنی ہیں۔ سات حدود یہ ہیں۔ (۱) حد ارتداد (۲) حد بغاوت (۳) حد

زنا (۴) حد قذف (۵) حد سرقة (۶) حد رباہنی (۷) حد شراب نوشی۔"

حافظ ابن حجر عسقلانی نے سترہ جرائم کو قابل حد شمار کیا ہے اور گیارہ جرائم کے متعلق اتفاق ظاہر کیا ہے،

مذکورہ بالا جرائم سب کے علاوہ ترک صلوة، ترک صوم، سحر، و طی بہائم، کو بھی حدود میں شمار کیا ہے۔¹²

عبدالقادر عودہ شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب التشریع الجنائی الاسلامی میں سات جرائم کو حدود میں شمار

کیا ہے، لکھتے ہیں:

"وجرائم الحدود معينة ومحددة العدد وهي سبع جرائم: الزنا والقذف والشرب والسرقة و

الحرابة والردة والبغي۔۔۔"¹³

۴۔ عدالتی استحکام میں حدود و تعزیرات کا کردار:

1. سزا بقدر جرم:

یہ حدود اللہ عظیم و خمیر کی طرف سے مقرر کردہ ہیں اور انتہائی عادلانہ سزائیں ہیں بلکہ یہ نظام بنی بر عدل ہونے کے ساتھ عدالتی نظام کے استحکام کا موثر ترین ذریعہ ہے۔ مستحکم عدالتی نظام کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مجرم کو اس کے جرم کے بقدر سزا دی جائے۔ اگر عدالت جرم کے مقابلے میں بہت کم یا زیادہ سزا دیتی ہے تو ایسا نظام ریاست کے لیے مسائل پیدا کر دیتا ہے۔ اس لیے اسلام کے دیئے ہوئے فوجداری نظام کا یہ خاص امتیاز ہے کہ سزا جرم کے مطابق دی جائے۔ جس قدر جرم سنگین ہو گا سزا بھی اس قدر سخت ہوگی اور اگر جرم چھوٹا ہو گا تو سزا بھی اسی مناسبت سے کم ہوگی۔ اسلام کے نظام حدود و تعزیرات کی یہ خصوصیت بھی ہے کہ ظالم کو اس کے ظلم کے برابر سزا اور مظلوم کو اس کی حق تلفی کے مساوی دادرسی کا بندوبست کیا جاتا ہے۔ اس بارے میں قصاص کی صورت میں ایک بہترین مثال ہمارے سامنے ہے، اس سے عادلانہ سزا اور کوئی نہیں ہو سکتی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْقَرْصُ بِالْخَيْرِ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأَنْثَى بِالْأُنْثَى¹⁴

”اے ایمان والو! تم پر مقتولوں کا قصاص لینا فرض کیا گیا ہے، آزاد آزاد کے بدلے، غلام غلام کے بدلے، عورت عورت کے بدلے۔“

جب ہر مجرم کو اس کے جرم کے بقدر سزا دی جاتی ہے تو ہر کوئی اسے تسلیم کر لیتا ہے اور نظام عدالت پر انگشت نمائی نہیں کرتا اور عدالت کو بھی فیصلہ سنانے میں آسانی ہوتی ہے کہ اس جرم کی سزا اسلام نے یہی مقرر کی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی سزا نہیں دی جاسکتی۔ یہ بات عدالتی نظام کو اعتماد اور استحکام دیتی ہے۔ اگر اس کی بجائے وضعی قوانین کے مطابق فیصلہ کیا جائے تو اپیل دراپیل کا سلسلہ چل نکلتا ہے اور دوسری عدالت پہلی عدالت کے فیصلے کو کالعدم قرار دے دے تو لوگوں کا اعتماد نظام عدل سے اٹھ جاتا ہے اور یہ ذہن میں بیٹھ جاتا ہے کہ عدالتیں جرم کے مطابق سزا نہیں دیتیں۔ اس لیے اسلام نے سزا بقدر جرم کا اصول مد نظر رکھا ہے۔

عبدالرحمن داود لکھتے ہیں:

”اسلام عدل و انصاف کا علمبردار ہے، اس نے سزائیں اعمال کے اعتبار سے مقرر کی ہیں، انسانی قوانین اس جیسے عدل کی فراہمی سے قاصر ہیں۔“¹⁵

اسلامی حدود کا نظام عدل و انصاف کا علمبردار کیوں نہ ہو، یہ تو اس خالق کائنات کا مقرر کردہ ہے جس نے اپنی ذات پر ظلم کو حرام قرار دیا اور بندوں کو بھی ظلم کرنے سے منع فرما دیا۔ یہ قانون ایسی ذات کا عطا کردہ ہے جو سارے اختیارات کا مالک ہونے کے باوجود بھی ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا۔ ارشاد فرمایا:

وَمَا زَكَّيْكَ بِظُلَامٍ لِلْعَبِيدِ¹⁶

"اور تیرا رب ذرہ برابر بھی بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔"

ii. تعصب سے بالاتر قوانین:

عدالتی نظام کے استحکام کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ تعصبات اور نفرت و محبت کے معیار سے بلند ہو کر فیصلے کرے اور یہ خاصیت صرف اسلام کے نظام حدود و تعزیرات ہی میں موجود ہے کیونکہ یہ کسی انسان کے بنائے ہوئے قوانین نہیں کہ کسی آدمی سے رورعایت برتی جائے یا تعصب کی بنا پر زیادہ سزا دی جائے۔ اگر جرم ثابت ہو جائے تو قاضی اسلامی حدود میں کمی بیشی نہیں کر سکتا بلکہ وہی سزا دے گا جو اسلام نے مقرر کی ہے۔

مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:

”انسانی علم کی محدودیت اور انسانی عقل کی کوتاہی اور نارسائی اور انسانی عقل پر تعصبات کی دست برد سے کسی حال میں مفر نہیں ہے۔ اس وجہ سے کوئی امکان نہیں ہے کہ انسان خود اپنے لیے کوئی ایسا نظام بنا سکے جو درحقیقت عدل پر مبنی ہو حقیقت یہ ہے کہ عدل اسلام ہی کا مقصود ہے۔“¹⁷

نظام عدل و قضاء کے استحکام کے لیے ضروری ہے کہ سزا صرف مجرم کو دی جائے۔ اس کے علاوہ اس کے والدین، بیوی، بچوں اور رشتہ داروں کو تنگ نہ کیا جائے جیسا کہ عام وضعی قوانین میں قانون نافذ کرنے والے ادارے کرتے ہیں۔ اسلام کا نظام عدل صرف مجرم کو سزا دیتا ہے اس کی آڑ میں کسی اور کو تنگ نہیں کرتا کیونکہ ایسا کرنے سے عدل و قضا کے محکمے سے لوگوں کا اعتبار اٹھ جاتا ہے اور عدل کے بجائے معاشرے میں ظلم و فساد بڑھ جاتا ہے اور عدالتی نظام بھی کمزور پڑ جاتا ہے۔

iii. انصاف کی فوری فراہمی:

انصاف جتنا فوری اور سستا مہیا ہوگا۔ عدالتی نظام اتنا ہی مستحکم اور با اعتماد ہوگا۔ آج کل کے وضعی قوانین میں عدالتیں سالہا سال تک مقدمات کا فیصلہ نہیں سن پاتیں۔ بعض مقدمات تو نسل در نسل چلتے ہیں اور فیصلہ نہیں ہو پاتا۔ جس کی وجہ سے لوگ عدالتوں کا رخ نہیں کرتے اور قانون ہاتھ میں لے کر خود فیصلے کرنا شرع کر دیتے ہیں۔ اور موجودہ عدالتی نظام میں دوسری بڑی خرابی یہ ہے کہ انصاف طلب کرنے والوں سے عدالت سے رجوع کرنے کے لیے کورٹ فیس اور وکلاء کی فیس کا مطالبہ کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے انصاف، جو کہ ریاست کا فرض ہے کہ وہ عوام کو مفت فراہم کرے، عوام کو خریدنا پڑتا ہے۔ انصاف کے حصول کے لیے جائیداد تک فروخت کرنا پڑتی ہے۔ اس لیے بہت سے لوگوں کا موجودہ عدالتی نظام سے اعتماد ہی اٹھ گیا ہے۔ ظالم اور زیادہ ظلم کرتا ہے کہ اسے پوچھنے والا کوئی نہیں

ہوتا اور غریب اور مظلوم، عدالت اور وکلاء کی فیس ادا نہ کر سکنے کی وجہ سے عدالت کا رخ نہیں کر سکتے۔ یوں معاشرے میں ظلم و جور آئے روز بڑھتا چلا جاتا ہے۔ جبکہ اسلام کے نظام عدالت میں نہ کوئی عدالتی فیس ہے اور نہ وکیل کی ضرورت، ہر مظلوم کی دادرسی کرنا ریاست کا فرض اولین ٹھہرتا ہے۔ جب عدالتیں اس انداز سے کام کریں گی تو عدالتی نظام مستحکم تر ہوگا۔

iv. مظلوم کی تسکین کا ذریعہ:

اسلامی حدود کا ایک اور خاصہ ہے کہ اس نظام میں مظلوم کی تسکین کا سامان موجود ہے اور جیسا جرم ہو ویسی سزا دی جاتی ہے۔ مثلاً: زنا کی سزا کوڑوں کی صورت میں سرعام دی جاتی ہے۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ اگر مجرم نے کسی کی عزت پر ہاتھ ڈال کر انہیں معاشرے میں رسوا اور بدنام کرنے کی کوشش کی ہے تو اسلام کا یہ مطالبہ ہے کہ ایسے مجرم پر سرعام حد نافذ کی جائے تاکہ اسے لوگوں کے سامنے سزا لے کر اپنے کیے پر شرمندگی کا احساس ہو۔ ارشاد ہوتا ہے:

"وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ" ¹⁸

"اور ان کی سزا کے وقت مومنوں کی ایک جماعت موجود ہونی چاہیے۔"

جب متاثرہ فریق مجرم کی سرعام رسوائی دیکھے گا تو اس کے دل کو تسکین ہو جائے گی اور اسے اپنی رسوائی کی تلافی پہ یقین بھی ہو جائے گا اور یہ چیز عدالتی نظام کے استحکام کا باعث بھی ہوگی۔

v. قانونی مساوات کا آئینہ دار:

اسلامی نظام حدود و تعزیرات کی ایک واضح اور بڑی خوبی، جو عدالتی استحکام میں اہم کردار ادا کرتی ہے، وہ قانونی مساوات ہے کہ یہ حدود بلا تفریق اعلیٰ و ادنیٰ، معاشرے کے تمام افراد جو بھی اس کی زد میں آئیں گے ان پہ لاگو ہوں گی۔ جرم کرنے والا انسان خواہ کسی بھی طبقے سے تعلق رکھتا ہو، امیر ہو یا غریب، بادشاہ ہو یا گدا یہ سب پر یکساں نافذ ہوں گی۔ نہ امیر کو رعایت دی جائے گی کہ ناجائز فائدہ اٹھائیں اور نہ غریب پر سختی کی جائے گی کہ وہ مایوس ہو جائیں۔

علامہ ابوالحسن ماوردی لکھتے ہیں:

"التسوية في الحكم بين القوي والضعيف، والمشروف والشريف... وقد استوفى عمر بن الخطاب الى ابى موسى الأشعري شروط القضاء... أسى بين الناس في وجهك وعدلك ومجلسك حتى لا يطمع شريف في حيفك ولا يياس ضعيف من عدلك" ¹⁹

"قاضی کا فرض ہے کہ وہ مقدمات کے فیصلوں میں طاقتور اور کمزور معزز اور غیر معزز کے درمیان مساوات سے کام لے۔ حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو عدل و قضا کی شرائط پوری کرنے کی تلقین کی اور فرمایا کہ ملاقات، انصاف اور ہم نشینی میں مساوات کا خیال رکھو تا کہ معزز شخص تمہاری سختی سے فائدہ اٹھائے اور نہ کمزور تمہارے عدل سے مایوس ہو۔"

اسلام کا نظام حدود و تعزیرات مساوات پر مبنی ہے اور جب تک عدالتیں مساوات سے کام لیں گی تب تک عدالتی نظام بھی مستحکم رہے گا اور ریاست بھی پائیدار رہے گی۔ اس نظام میں سربراہان ریاست، صدر، وزیراعظم اور عام آدمی سے ایک جیسا سلوک ہوتا ہے۔ مساوات کا یہ نظریہ آج کے وضعی قوانین میں موجود نہیں۔ آج کل کے وضعی قوانین میں صدر یا وزیراعظم کو استثناء حاصل ہوتا ہے جس کی وجہ سے نظام عدل میں خلل واقع ہوتا ہے۔ جبکہ اسلام نے ہر ایک کے ساتھ مساوات کا سبق دیا۔

عبدالقادر عودہ شہید فرماتے ہیں:

"تسوی الشریعہ بین الرؤساء الدول والرعايا فی سریان القانون، ومسؤولية الجميع عن جرائمهم ومن اجل ذلك كان رؤساء الدول فی الشریعة اشخاصا لا قدامة لهم، ولا يعتازون عن غیرهم، واذ ارتكب احدہم جریمة عوقب علیہا کما یعاقب أی فرد۔"²⁰

"شریعت اسلامیہ اجرائے قانون میں سربراہان ریاست اور عوام کو مساوی قرار دیتی ہے اور ان میں سے ہر ایک کو اپنے جرم پر مسئول گردانتی ہے۔ شریعت اسلامیہ کی نگاہ میں سربراہان مملکت بھی اشخاص ہی ہیں، ان کی ذاتی کوئی تقدیس نہیں ہے اور نہ انہیں دوسروں پر کوئی امتیاز حاصل ہے۔ اگر ان میں سے کوئی شخص ارتکاب جرم کرتا ہے تو وہ بھی اسی طرح مستحق سزا ہے جس طرح کہ ایک عام آدمی مستحق سزا ہوتا ہے۔"

مساوات کی سنہری مثال خود نبی کریم ﷺ کا فرمان گرامی ہے کہ جب آپ سے ایک مخزومیہ عورت کی سفارش کی گئی، جس نے چوری کی تھی، تو آپ نے ارشاد فرمایا تھا:

"لو أن فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت یدھا۔"²¹

"اگر محمد کی بیٹی فاطمہ چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔"

vi. سفارش کی عدم قبولیت:

عدالتی نظام کو سب سے زیادہ کمزور کرنے والی چیز سفارش ہے کہ کسی کی سفارش کر دو اور اسے سزا سے بچا

لو لیکن اسلامی نظام حدود کا یہ خاصہ ہے کہ اگر معاملہ عدالت میں آجائے تو اس میں سفارش یا معافی نہیں ہوتی۔ چونکہ یہ اللہ کا حق ہے اور اس میں وہی فیصلہ ہوگا جو اللہ کا نازل کردہ ہے۔ یوں اس نظام حدود میں عدالتیں بغیر کسی شخصی یا حکومتی دباؤ کے حق و انصاف پر مبنی عادلانہ فیصلے کرنے میں خود مختار ہوتی ہیں۔ جب تک عدالتیں خود مختار ہوں اور عدل کے ساتھ فیصلے کرتی رہیں تو عدالتی نظام مستحکم رہتا ہے۔ اسی لیے آپ نے حضرت اسامہؓ کی سفارش کو رد کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"أتشفع في حدم من حدود الله" 22

”کیا تم حدود اللہ میں سفارش کرتے ہو۔“

پھر آپ نے قیامت تک کے آنے والے قضاۃ کے لیے اسوہ حسنہ چھوڑا کہ عدل و انصاف کے تقاضے ہر حال میں پورے ہونا ضروری ہیں۔ ورنہ نہ صرف یہ کہ عدالتیں تباہ ہو جائیں گی اور اپنا اعتماد کھودیں گی بلکہ جب عدل ختم ہو جائے گا۔ ظلم عام ہو جائے گا تو معاشرے، قومیں اور ریاستیں بھی تباہی سے نہ بچ سکیں گی۔ مخزومیہ عورت نے جب چوری کی تھی۔ اس کی سفارش آنے پر آپ نے ناراضگی کا اظہار فرماتے ہوئے اقوام کے عروج و زوال کی پوری تاریخ ایک جملے میں سمیٹ کے رکھ دی تھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا تھا:

"إنما أهلك الذين قبلكم، إنهم إذا سرق فيهم الشريف تركوه، وإذا سرق فيهم الضعيف أقاموا عليه الحد۔" 23

”تم سے پہلے لوگوں کو اسی چیز نے ہلاک کیا تھا کہ جب ان میں سے کوئی شریف چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے۔ اور جب کوئی کمزور چوری کرتا تو اس پر حد قائم کر دیتے۔“

گویا جب قاضی، جج، حاکم اور عدالتیں انصاف نہیں کرتے عدل کا فقدان ہو جاتا ہے، اور اقوام ہلاک اور تباہ و برباد ہو کر صفحہ ہستی سے ختم ہو جاتی ہیں۔ لہذا قوموں کی زندگی اسی میں ہے کہ وہ عدل و انصاف کو قائم رکھیں۔ اگر وہ عدل کے قیام کو یقینی بنالیتی ہیں تو سیاسی، معاشرتی، معاشی، عدالتی و سماجی ہر حوالے سے ترقی یافتہ اقوام بن جائیں گی، علامہ ماوردی عدل کے ثمرات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فالعدل، الأساس التي يبنى عليه نظام العالم، فإذا استعمل الملك العدل، عمرت البلاد وأمن العباد، تحصلت الأموال، وكثر الرجال وانتظمت الأحوال وخصب الزمان، وحصل الأمن والأمان۔" 24

”عدل وہ اساس ہے جس پر نظام عالم کی بنیاد ہے۔ اگر حاکم وقت نے عدل قائم کر لیا تو شہر آباد ہو جائیں گے، مخلوق امن میں آجائے گی، اموال بہت زیادہ حاصل ہوں گے، افراد بڑھ جائیں گے۔ حالات

درست اور منظم ہو جائیں گے، زمانہ خوش حال ہو جائے گا اور معاشرہ امن و امان کا گہوارہ بن جائے گا۔“

خلاصہ:

انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ یہ باہم مل جل کر رہتے ہیں اور بعض اوقات ایک دوسرے کے حقوق غصب کرنے اور باہم ظلم و ستم کرنے سے بھی باز نہیں آتے۔ اسی لیے انسان ظلم و ستم کے خاتمے کے لیے نئے قوانین بناتا ہے لیکن چونکہ انسان ظلم و جہول ہے اس لیے اس کے بنائے ہوئے قوانین عارضی ہوتے ہیں اور زمان و مکان کے بدلنے سے بے اثر ہو جاتے ہیں اور ان وضعی قوانین میں کئی خامیاں بھی باقی رہتی ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ علیم وخبیر انسانی فطرت کی کمزوریوں سے پوری طرح واقف ہے اُس نے انسانی فطرت کو مد نظر رکھتے ہوئے بڑے بڑے جرائم پر خود حدود کی صورت میں سزائیں مقرر فرمادیں اور کم درجہ جرائم کے لیے تعزیرات کے اصول فراہم فرمادیے جو کہ ہر زمانے اور علاقے کے لیے یکساں مفید ہیں اور قیامِ عدل کا بہترین ذریعہ ہیں۔ جرائم کی جو سزائیں اسلام نے مقرر کی ہیں ان سے عادلانہ سزائیں کوئی نہیں ہو سکتیں۔ مبنی بر عدل ہونے کے ساتھ ساتھ عدالتی نظام کو استحکام فراہم کرنا بھی ان سزاؤں کا خاصہ ہے۔ کیونکہ ان سزاؤں میں قانونی مساوات، فوری اور سستے انصاف کی فراہمی، سزا بقدر جرم، متاثرہ فریق کی تسکین قلب، سفارش کی حوصلہ شکنی اور دیگر ساری خصوصیات موجود ہیں جو عدالتی نظام کو ہر حوالے سے مستحکم تر کر دیتی ہیں۔

This work is licensed under a [Creative Commons Attribution-NonCommercial-ShareAlike 4.0 International \(CC BY-NC-SA 4.0\)](https://creativecommons.org/licenses/by-nc-sa/4.0/)

مراجع و حواشی:

- ¹ عوده، عبدالقادر، المال والحکم فی الاسلام، دارالکتب العربی، بیروت، س-ن: ۱۰۸
- ² الافریق، ابن منظور، جمال الدین، محمد بن مکرم، لسان العرب، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۲ھ، ۳/۱۴۰
- ³ جوہری، اسماعیل بن حماد، الصحاح تاج اللغة وصحاح العربیۃ، دارالعلم للملایین، بیروت، طبع ثالثہ، ۱۹۸۴ء، ص ۲/۴۰۴
- ⁴ الزبیدی، محمد تفسی، تاج العروس من جواهر القاموس، دارالفکر للطباعة والنشر، بیروت، س-ن: مادہ حدود، ۴/۴۱۱
- ⁵ السرخسی، محمد بن احمد، شمس الآئمة، المبسوط - دارالمعرفة، بیروت، لبنان - ۱۴۱۴ھ - ۱۹۹۳ء، ص ۹/۴۵
- ⁶ ابن نجیم، زین الدین، البحر الرائق شرح کنز الدقائق - دارالمعرفة، بیروت، لبنان، س-ن، ص ۵/۵
- ⁷ ابن ہمام - کمال الدین محمد بن عبد الواحد - فتح القدیر - دارالفکر، بیروت، لبنان، س-ن، ص ۵/۳
- ⁸ عوده، عبدالقادر، التشریح الجنائی الاسلامی، دارالکتب العربی، بیروت، س-ن، ص ۱/۶۳۴
- ⁹ الکاسانی، علاؤ الدین بن مسعود، ابو بکر، الحنفی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، (مترجم) پروفیسر خان محمد چاولہ، مرکز تحقیق دیال سگھ ٹرسٹ، لاہور، نسبت روڈ، لاہور، س-ن، ص ۷/۳۳
- ¹⁰ تنزیل الرحمن، جسٹس، اسلامی قوانین (حدود، قصاص، دیت، تعزیرات)، قانونی کتب خانہ، لاہور، س-ن، ص ۶۴
- ¹¹ وجدی، محمد فرید، دائرة المعارف القرن العشرين، دارالمعرفة، بیروت، لبنان، الطبعة الثالثة، س-ن، ۳/۳۸۷
- ¹² ابن حجر، العسقلانی، احمد بن علی، ابن حجر - فتح الباری، دارالحیاء، بیروت، س-ن، ۱۲/۱۷
- ¹³ عوده، عبدالقادر، التشریح الجنائی الاسلامی، دارالکتب العربی، بیروت، س-ن، ص ۱/۷۹
- ¹⁴ البقرہ: ۱۸۷/۲
- ¹⁵ الدود، عبدالرحمن، عبدالعزیز، اسلام کا نظام تعزیرات، طارق اکیڈمی، فیصل آباد، طبع اول، ۱۹۷۹ء، ص ۲۱۴

¹⁶ حم السجدة: ۴۱/۴۶

¹⁷ اصلاحی، امین احسن، مولانا، جدید اسلامی ریاست میں قانون سازی اور مسائل، دارالتنزیہ، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۳۹۷

¹⁸ النور: ۲: ۲۴

¹⁹ الماوردی، علی بن محمد بن حبیب، ابوالحسن، الأحكام السلطانية والولايات الدينية، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱۳۹۸ھ،

ص ۱۴۰-۱۳۹

²⁰ التشریع الجنائی، ۳۱: ۱

²¹ البخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الانبیاء، دار السلام للنشر والتوزیع، الریاض، الطبعة الاولى، ۱۴۱۹ھ،

حدیث ۳۴۷۵

²² ایضاً

²³ ایضاً

²⁴ الماوردی، علی بن محمد بن حبیب، ابوالحسن، النصیحة الملوك، مکتبة الفلاح، الکویت، الطبعة الاولى، ۱۹۸۱ء، ص 105